



حقیقتِ تقویٰ

تالیف
سید ریاض حسین شاہ

ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ (رجسٹرڈ) راولپنڈی



حقیقتِ تقویٰ

تالیف

سید ریاض حسین شاہ

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ

پوسٹ بکس نمبر ۸۶۹ — راولپنڈی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	تعارف	۵	۱۸	تقویٰ اور قرب الہی	۱۸
۲	تقدیم	۷	۱۹	تقویٰ اور امتیاز	۱۹
۳	تقویٰ کے تین مرتبے	۱۰	۲۰	تقویٰ اور رزق کی شادگی	۲۰
۴	پہلا مرتبہ	۱۱	۲۱	تشکیل تقویٰ کی بنیادیں	۲۱
۵	دوسرا مرتبہ	۱۲	۲۲	مضبوط ایمان	۲۲
۶	تیسرا مرتبہ	۱۳	۲۳	عبادت گزار کی تعمیر	۲۳
۷	تقویٰ کی اہمیت	۱۴	۲۴	پیر و مرشد کا وسیلہ	۲۴
۸	تقویٰ کی حد	۱۵	۲۵	غور و فکر	۲۵
۹	تقویٰ کے اثرات	۱۵	۲۶	چند مثالیں	۲۶
۱۰	انسانی غفلت کا راز	۱۶	۲۷	علم شریعت	۲۷
۱۱	تقویٰ اور فلاح حقیقی	۱۷	۲۸	نصرتِ خدا	۲۸
۱۲	تقویٰ اور سکونِ زندگی	۱۸	۳۱	دُعا	۳۱

جلالتِ حق تعالیٰ مصنف

کتاب _____ حقیقتِ تقویٰ

مصنف _____ سید یحییٰ حسین شاہ

ناشر _____ ادارہ تعلیمات اسلامیہ اولیٰ پٹی

تعداد بار اول ۱۹۸۱ء _____ ایک ہزار

بار دوم ۱۹۸۳ء _____ گیارہ سو

قیمت _____ ۳/۵۰

تعارف

سید ریاض حسین صاحب کسی زمانے میں میسر شاگرد رہے ہیں۔ اور اُس بد بچے بہت اگے نکل چکے ہیں۔ مجھے قیاد شناسی کا دعویٰ تو نہیں البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ مجھے اُسی زمانہ میں اندازہ ہو چکا تھا کہ ریاض صاحب ایک نہ ایک دن علمی دنیا میں ضرور اپنا نام پیدا کریں گے؟ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ آپ نے کالج کی تعلیم کے بعد دینی علوم کی تحصیل کے لئے مستند علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بالآخر سندِ نفیلت سے سرفراز ہوئے۔ آج آپ علمی جستجو کے ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں ترقی کا ایک وسیع میدان آپ کی جدوجہد کا انتظار کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں بھی ان کی کامیابیوں کو رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں۔

ہمارے ہاں عام طور پر سندِ فراغت کو مطالعہ سے فراغت کا مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ عملی زندگی میں آنے کے بعد علماء محدود و مخصوص نصابی کتابوں سے ہٹ کر کچھ پڑھنے پڑھانے کو کسرِ شان خیال کرتے ہیں۔ اس طرح اُن کی ذہنی صلاحیتوں میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا ہو جاتا ہے لیکن مولانا ریاض صاحب کو اللہ نے مطالعہ کا خاص ذوق بخشا ہے۔ وہ اس

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴	استقامت	۳۲	۳۷	تقویٰ اور وعدے کی پابندی	۵۳
۲۵	تقویٰ کے تقاضے	۳۴	۳۸	تقویٰ اور اصول تعاون	۵۵
۲۶	شرک سے اجتناب	۳۴	۳۹	تقویٰ اور غیبت سے بچنا	۵۹
۲۷	نظام عبادت کا قیام	۳۵	۴۰	تقویٰ اور حرمتِ سود	۵۹
۲۸	عبادت کی اصل خدا کا ذکر	۳۵	۴۱	تقویٰ اور بدکاری سے اجتناب	۶۵
۲۹	تقویٰ اور شکر آخرت	۳۶	۴۲	تقویٰ اور اساسِ عمل	۶۷
۳۰	تقویٰ اور اصلاحِ معاشرہ	۳۷	۴۳	تقویٰ اور عفو و درگزر	۶۸
۳۱	تقویٰ اور اتحادِ ملت	۳۹	۴۴	تقویٰ اور سچائی	۷۱
۳۲	شائستگی کی تعلیم	۴۲	۴۵	تقویٰ اور احسان	۷۳
۳۳	تقویٰ اور احترامِ رسول	۴۳	۴۶	تقویٰ اور صبر	۷۵
۳۴	تقویٰ اور قیامِ عدل	۴۵	۴۷	تقویٰ اور تیاریِ جہاد	۷۷
۳۵	تقویٰ اور رسومِ محض	۴۹	۴۸	اختتام	۷۹
۳۶	تقویٰ اور خیرِ اقوام کی تعلیم	۵۰	۴۹	تقریظ	۸۰

خدا واد صلاحیت کو بطریق احسن استعمال کرنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں۔
جوں جوں ان کا مطالعہ وسیع ہوتا جاتا ہے ان کی نظریں وسعت اور فکر
میں گہرائی پیدا ہوتی جاتی ہے۔

ادھر میری عادت یہ ہے کہ میں جس شخص میں مطالعہ کا ذوق دیکھتا ہوں
اُسے کسی نہ کسی طرح تصنیف تالیف کے کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔
ریاض صاحب کو میں نے ہمیشہ اس طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ ان کے
میلان طبع پر میری کوشش نے وہی اثر کیا جو سونے پر سہاگہ کرتا ہے۔ بہر حال مجھے
خوشی ہے کہ ریاض صاحب تصنیف تالیف کی طرف مائل ہی نہیں ہوئے بلکہ
وہ عملاً اس کام میں مصروف ہو گئے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا موصوف میسے پاس ایک تحریر لیکر آئے جس میں تقویٰ کے
موضوع پر بحث کی گئی تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ آپ اس موضوع پر
منفصل مقالہ لکھنا چاہتے ہیں۔ خدا کے فضل سے یہ کام مکمل ہو گیا۔ اور اب
آپ کے قدرواں ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ میری رائے میں اس اہم موضوع پر
ریاض صاحب کے قیمتی خیالات یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔ ان کا سادہ مگر
موثر اسلوب بیان میری اس رائے کو مزید تقویت پہنچا رہا ہے۔ میں جہاں
ان کی اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں وہاں یہ توقع بھی کرتا ہوں کہ وہ
اپنے دشمنانِ قلم سے اہل ذوق کو بدستور نوازتے رہیں گے۔

پروفیسر رحیم بخش شاہین

”نطق و کلام“

دوسرے ایڈیشن کے لئے

آج سے دو سال قبل راولپنڈی کے چند نوجوان جو علم و ادب اور دین و ملت کی
خدمت کا جذبہ بے تاب لئے ہوئے سفینۂ ملت کو منزل اشعار کرنے کی تدبیریں سوچ رہے
تھے۔ بلاخرائی سنی و کاکاش کا نتیجہ ادارۃ تعلیمات اسلامیہ کی صورت میں نکلا۔
علمی و فکری بنیادوں پر قائم ہونے والے اس ادارے نے سہ ماہی مجلہ ”سورۃ منزل“
کے بعد حقیقتِ تقویٰ قوم کی خدمت میں پیش کی جس کی عوام و خواص میں خاطر خواہ
پذیرائی ہوئی۔ اس کی وجہ نہ صرف اس کتاب میں بھروسے ہوئے انمول
موتی ہیں، بلکہ مصنف کی بلند پایہ شخصیت کا بھی اس میں خاصا دخل ہے۔
اس کی مسلسل مانگ کے پیش نظر دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت
محسوس ہوئی۔ دوستوں کے اخلاص نے تائیدِ ایزدی کو مائل برکرم کیا اور ہزرم
طابانِ رضائے مصطفیٰ راولپنڈی نے ”حقیقتِ تقویٰ“ کی اس اشاعت کیلئے
ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

اللہ کرے۔ ہمارا حلقہ یاراں بڑھتا ہے۔ اور ہم دین کی خدمت کرتے رہیں۔
تا آنکہ موت کا نقاب لگے۔ اور ہمارے محبوب کو پائیں (سلا میضہ)

رضا فاروقی سیکریٹری جنرل

ادارۃ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

تقویٰ انسانی زندگی کی وہ صفت ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم کا محور رہی۔ اس کا لغوی معنی تو کسی شئی سے دُور رہنے، اُس سے بچنے یا اُسے چھوڑنے ہی کے ہوتے ہیں۔ لیکن شریعت اسلام میں تقویٰ نہایت وسیع معنی رکھتا ہے مختصر طور پر تقویٰ کی تعریف کے سلسلہ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دل کی اُس حالت کا نام ہے جس کی موجودگی میں انسان ہر اُس فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ پاک کو ناپسند ہو۔

”اتّما الاعمال بالنیات“ کے تحت جس طرح نیت ہر عمل کی جان ہوتی ہے اسی طرح تقویٰ میں بھی اسے بڑا دخل ہے۔ اگر از تکاب گناہ اور حسد کی نافرمانی سے برف اس لیے بچا جائے کہ حسد ناراض ہوگا یا رحمت الہی سے محرومی ہوگی تو تقویٰ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے ورنہ اگر خیال بھائی یا بدنامی کا ڈر ہو یا کوئی عمل دکھلاوے کے لئے کیا جائے تو تقویٰ نہیں ہوگا۔ قرآن وحدیث میں لفظ ”تقویٰ“ مختلف صورتوں میں بے شمار مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ مختلف استعمالات کے پیش نظر اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے :

”تقویٰ رزائل سے بچنے اور فضائل سے آراستہ ہونے کا نام ہے“

نصر آبادی فرمایا کرتے تھے کہ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر چیز سے بچے۔ — طلق ابن حبیب کا قول ہے کہ

”اللہ کے عذاب سے دُور کر اس کے نور کے مطابق اطاعت خداوندی یعنی اس کے احکام پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے“

(رسالہ تشبیہ)

حضرت جمشید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ :

”زندگی اطاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزارنا تقویٰ ہے“

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے

تقویٰ کی تعریف پوچھی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ سے سوال کیا : ”کیا آپ کبھی خاردار راستہ پر چلے ہیں؟“

آپ نے جواب دیا : ”ہاں“ پھر پوچھا کہ ”آپ نے کیا طریقہ استعمال

کیا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے لگے ”میں کانٹوں سے بچ بچ

کر اور کپڑوں کو سمیٹ کر چلا“ حضرت کعب رضی اللہ عنہ۔ لڑے

یہی ”تقویٰ“ ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال خاردار راستے کی ہے مومن کا کام تب ہے کہ اس میں سے گزرتے ہوئے دامن سمیٹ کر چلے۔ اُس کی کامیابی اسی میں ہے کہ ہر کام میں دیکھے کہ اس میں خدا کی خوشنودی مضمر ہے یا نہیں۔

ابو عبد اللہ رودباری فرمایا کرتے تھے کہ ”تقویٰ یہ ہے کہ اُن نام پیزوں

سے اجتناب کیا جائے جو اللہ سے دُور رکھنے والی ہوں؟
حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ”اپنے تقویٰ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔“

منتقی آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریا سے بچے اس لئے کہ یہ اعمال کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح دیک لکھ کو کھا جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے علاقہ میں ایک بار قحط پڑ گیا لوگ آپ کے پاس دُعا کروانے کے لیے آئے۔ آپ فرمانے لگے بارش اس لئے نہیں ہوتی کہ گناہ کار زیادہ ہو گئے ہیں اور سب سے بڑا گناہ کار میں ہوں۔ اگر مجھے شہر سے نکال دیا جائے تو بارانِ رحمت برسنے لگ جائے گی۔

اللہ اُن لوگوں پر رحمتیں برسائے عظیم ہوتے ہوئے بھی اُن کے ہاں دعویٰ نہیں تھا اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔

فرد تنی است دلیل رسیدگان کمال

کہ چون سوار بمنزل رسد پیادہ شود

یعنی اہل کمال کی نشانی عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ سوار جب منزل مقصود پر پہنچتا ہے تو پیادہ ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کے تین درجے

سلام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے انوار التنزیل میں تقویٰ کے

تین درجے نقل کئے ہیں۔

پہلا مرتبہ

التقوى عن العذاب المحلل بالتبوي عن الشر

(انوار التنزیل جلد اول ص ۱۷۸)

عذاب آخرت سے دُور کر اپنے آپ کو شرک سے بچانا تقویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، صفات اور افعال میں بیکتا جاننا تقویٰ کا پہلا زینہ ہے۔ مومن کے عرفانی مدارج کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اُس کی رگ و جان میں توحید رچی بسی ہوتی ہے۔ وہ اللہ ہی کو معبود سمجھتا ہے اور اُسی ذات کو مقصود تصور کرتا ہے۔ گو یہ سب کو تسلیم ہے کہ معبود وہی ہے

مگر کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

منتقی شرک کو ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ اُس کی دعوت و تبلیغ کا محور اثبات

توحید اور تردید شرک ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ توہین انبیاء اور

گستاخی ادلیار توحید نہیں بلکہ جرم عظیم ہے۔ جس طرح حشدا کی

ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے اسی طرح انبیاء و مرسلین کو

اپنی طرح سمجھنا یا اپنے آپ کو اُن کے مثل جاننا صریح کفر ہے۔ اللہ پاک

ہر قسم کے شرک سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین۔

عقائد کا ٹھیک ہونا تقویٰ کی جان ہے۔ سورہ بقرہ میں منتقی کی تعریف

میں اُس کے اعمال کے ساتھ ساتھ راسخ عقائد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُغْنُونَهُ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِمَّا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَبِمَا الْآخِرَ قَوْمُهُ يُوَفِّيْنُونَهُ (القرآن ۲: ۶۴)
”وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم رکھتے ہیں
اور ہلکے دیتے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں جو آپ پر اور آپ
سے پہلے نازل ہونے والی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت
پر یقین رکھتے ہیں“

دوسرا مرتبہ

التجنب عن كل مايؤشرونه اورك حتى
الصغائر (انوار التنزيل جلد اول ص ۱۷)

ہر وہ فعل جس میں گناہ کا اندیشہ ہو یہاں تک کہ صغیرہ
گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کہلاتا ہے۔

تقویٰ کے اس مرتبہ کی طرف قرآن حکیم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:
وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ النَّسْرِ لَأْمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ
كَاشِحِينَ (الاعراف ۱۱)

متقی کے لیے اُن حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جو کائنات کے خالق نے
متعین کی ہیں۔ یہ سب کچھ اُسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب خوفِ الہی دل
میں پوری طرح جاگزیں ہو اور انسان ہر وقت یہ سوچے کہ یہ دنیا اندھیر رنگی

نہیں بلکہ امتحان گاہ ہے اور ایک نہ ایک دن اُسے ضرور اپنے اعمال کے بارے
میں جواب دہ ہونا ہے۔

تقویٰ کا تیسرا مرتبہ

علامہ ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں:

والشالطة ان يشتد عمار يشغل سره عن الحق
ويستبدل اليه بشرا شره وهو التقوى الحقيقية المطلوب
(انوار التنزيل جلد اول ص ۱۷)

ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا اور اُس سے غافل نہ ہونے
والی اشیا سے لاتعلق ہو جانا تقویٰ ہے اور تقویٰ کی یہی حالت
حقیقی اور مطلوب و مقصود ہے۔

یہاں تعلق سے مراد ہر وقت خدا کو یاد کرنا ہے۔ ہر فعل میں اُس
کی رضا دیکھنا ہے۔ بعض صوفیاء کا ”پاس انفس“ کا معمول بھی تقویٰ
کے اس مفہوم میں آسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تقویٰ کی اس حالت
کو ”ماسوی اللہ بس“ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا ہر
چیز سے بے نیاز ہو جانا۔

قرآن مجید میں پروردگار عالم ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (ال عمران ۱۰۲)
اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔

انسان کو ہر وقت اس کوشش میں لگے رہنا چاہیے کہ کوئی چیز راہِ دین سے غفلت کا سبب نہ بنے۔ شیطانِ طاقتیں اُس پر غالب نہ آئیں۔ نفسِ مارہ اُسے اپنے دامن میں نہ لے۔ اور یہ سب کچھ عملِ پیہم اور جہادِ مسلسل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ نیکو اور جذبہٴ صادق اس سلسلہ میں مدد اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت

مقتضیانہ زندگی انسان کو نمونے کا انسان بنا دیتی ہے۔ مسلمان صرف اجتماعی زندگی ہی میں ایک ضابطے کا پابند نہیں بلکہ وہ انفرادی زندگی میں بھی ایک دستور اور قانون کے مطابق تعمیر اور تطہیر حیات کی منازل طے کرتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور قول و فعل رضائے الہی کے حصول کے لیے ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بار پوچھا گیا ”آلِ نبی کون لوگ ہیں؟“ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”مُتَّقِی“

علاوہ ازیں اسلام کا سارا نظام عبادت یہی مقصد رکھتا ہے کہ لوگ ”مُتَّقِی“ یعنی صاحبِ کردار بن جائیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات ”تقویٰ“ کے لیے دُعا فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَ الشَّقٰی
وَالْعَفَافَ وَ الْغِنٰی۔

”اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ اور عفت و عفا کا سوال کرتا ہوں“

تقویٰ کی حد

انبیاءِ کرام معصوم ہستیاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تخلیق ہی ایسے کرتا ہے کہ وہ بشری کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ”تقویٰ“ اگر پوری آب و تاب کے ساتھ کہیں دکھائی دے سکتا ہے تو وہ انبیاء ہی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی شخص کی زندگی میں ”تقویٰ“ اُس کا طبیعت کے ساتھ جو انبیاء کے ہاں ہوتی ہے نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی بلکہ ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التقوات ۱۶)

یعنی تقویٰ کا حق ادا کرنے میں تم کوئی کسر نہ اٹھا رکھو بلکہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق یہ کوشش کرے کہ اُس کی زندگی احکامِ الہی کے مطابق بسر ہو۔

تقویٰ کے اثرات

اسلامی کیریکچر یعنی تقویٰ کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی زندگی

پر بے شمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دینی اور دنیوی زندگی میں اس کی بدولت انسانی ضمیر کو سکون و چین میسر ہوتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں تقویٰ کے اثرات پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

انسانی عظمت کا راز

عظمت اور بزرگی کی تلاش انسانی فطرت ہے۔ ہر شخص معاشرہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں عظمت و شرافت اور بلندی مراتب کا معیار دولت کی کثرت نہیں۔ مال و زر کا ہونا نہیں اور نہ ہی حسن و جمال کو اس میں کوئی دخل ہے بلکہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کی خاطر گزارنا فضیلت کی اصل کسوٹی ہے۔

قرآن مجید اس بات کی تائید یوں کرتا ہے :

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (المحجرات ۱۳)

اللہ کے نزدیک معزز ترین شخص متقی ہی ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حقیقی شرف تقویٰ ہی میں ہے۔ آپ نے قبلہ کے خطبہ میں ایک بار ارشاد فرمایا ”تقویٰ عزت دلاتا ہے اور اللہ کو خوش کرتا ہے“

معلوم ہوا حسب و نسب کی روحانی اور مقصودی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں بلکہ یہ وہ بت ہیں جن کی پر جاسے ہماری قوم مسلم قومیت کھڑی جا رہی ہے نسلی اور معاشی امتیازات نے ہمارے اسلامی معاشرہ کو اندر سے کھوکھلا کر

دیاسے۔ علاقائی تعصبات دل و دماغ پر پوری طرح تسلط چارہ ہے ہیں اور یہ سب کچھ تقویٰ کے منافی ہے۔

تقویٰ اور فلاح حقیقی

انسان جب تک نظام وحی سے راہبری حاصل نہیں کرتا نقصان اور خرابی میں مبتلا ہے۔ ہدایت کے لیے وجدان اور عقل اس کے لیے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے خالق اور حادی کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ اکثر فیصلے غلط کرتا ہے۔ اس کی دماغی اور ذہنی قوتیں زندگی کی پُر پیچ راہوں میں اس کی ساتھی نہیں بنتیں۔ وہ یہاں پہنچ کر بے بس ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہیں کسی حادی کو تلاش کرتی ہیں۔ اگر اس بیچارگی کے عالم میں وہ فطرت کی آواز سن کر اپنے خالق و مالک کے ”نظام ہدایت“ جو مختلف ادوار میں انبیاء کی وساطت سے انسانیت کی رہنمائی کرتا رہا کو پہچان لے تو فطرت اسے فلاح کا پیغام دیتی ہے۔

وہ لوگ جن کے سینے ایمان سے خالی ہیں اور ان کے اعمال قرآن و سنت کے برعکس ہیں بے شک وہ انسان تو ہیں لیکن ”نظام وحی“ سے عدم متمسک کی بنا پر نقصان و خسران ان کا مقدر ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَسِيرٌ (المعصر ۲)

بے شک انسان خلسے میں ہے

نقصان کے مقابلہ میں قرآن ”فلاح“ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور

”فلاح“ کی شرائط میں تقویٰ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

سورہ ”البقرہ“ میں متقی کی چھ صفات بیان کرنے کے بعد رب ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں :

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (البقرہ ۵)

یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی کامیاب و کامران

تقویٰ اور سکون زندگی

کون نہیں جانتا کہ ہماری زندگی میں جتنی بھی مشکلات ہیں ”قرآن“ سے بناوٹ ہی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو تربیت کے لیے قرآنی سانچے میں ڈالتے ہیں اس کا مطلوبہ کردار جس کو وہ ”تقویٰ“ کا نام دیتا ہے اپنے اندر پیدا کر لیتے تو یقیناً ہماری زندگی میں اس قدر بے چینیاں نہ ہوتیں بلکہ سکون و آرام سے دن گزارتے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا يُسْرًا

(القرآن) (الطلاق: ۴)

تقویٰ اور قرب الہی

قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے :

إِنِ أَقْرَبَهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِن أَكْثَرُهُمْ

لَا يَعْلَمُونَ ۝ (الانفال: ۳۴)

بلاشبہ متقی ہی اللہ کے دوست ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اگر صحیح معنوں میں پرہیزگاری ہمارا شعار بن جائے۔ خدا کا خوف ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے تو ”نَحْنُ أَكْثَرُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ“ (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی نوید جان لیں آج بھی قرآن سن رہا ہے۔ متقی ہی کے بارے میں رب ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں :

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبہ: ۷۰)

بے شک اللہ پاک متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

انوار الہیہ کے مشتاق کے لئے اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے۔ کہ محبوب و مطلوب اپنی توجہ و التفات کے جیتنے کا نسخہ خود تجویز فرما رہا ہے۔ کیا یہی وہ مقام نہیں جس کی خاطر بدر و جنین کے معرکے وجود میں آئے۔ کہ بلا میں اہل بیت اطہار کا خون گرا۔ باپ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی۔

اے بندگانِ خدا! اگر تم بھی چاہتے ہو کہ محبت الہی کے سوغات تمہارے حصے میں بھی آئیں تو اپنے آپ میں متقی لوگوں کی صفات پیدا کیجئے۔

تقویٰ اور امتیاز

تقویٰ کے اجتماعی اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ معاشرہ جو ”مِنْ حَيْثُ الْجَمَاعَةِ“ (پوری جماعت کی حیثیت سے) اپنے آپ کو

کتاب وسنت کے مطابق بنالیتا ہے۔ اقوام عالم میں اس کی شان نزالی اور امتیازی بن جاتی ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَشَاءُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ
فُرْقَانًا. (الأنفال: ۲۹)

اے اہل ایمان اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امتیاز قائم کر دے گا۔

”امتیاز“ کی مختلف نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس سے ایک معنی تو یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ تم میں اچھی اور بُری چیز میں امتیاز کرنے کی قوت پیدا فرما دے گا یعنی بصیرت عطا کر دے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقوام میں تمہیں امتیازی شان عطا کر دے۔

تقویٰ سے رزق میں کشادگی

روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ ہر دور میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے قرآن نے معاشی آسودگی بھی اپنی حدود میں قائم رہنے ہی میں قرار دی۔ ارشاد رب العزت ہے:

”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“

”متقی کے لئے اللہ تنگی سے نکلنے کے سامان مہیا کرتا ہے اور

اُسے وہاں سے روزی دیتا ہے کہ اُس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ اسلامی نظام کا مکمل مطالعہ کرنے سے اچھی طرح اس نتیجہ پر پہنچا جاسکتا ہے کہ اسلام کیسے ”معاشی خوشحالی“ دیتا ہے۔

اس کے برعکس ”اعراض عن القرآن“ سے اقوام و مل کی معاش و معیشت تنگ کر کے رکھ دی جاتی ہے۔ قرآن نے تو معاشی تنگی کی وجہ ہی اس نظام سے بغاوت کو قرار دیا ہے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكًا. وَنَحْشُرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى.

(طہ: ۱۲۴)

”جس نے ہماری یاد سے غفلت برقی اُس کے لئے معیشت تنگ ہو جائے گی اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے“



تشکیل تقویٰ کی بنیادیں

مضبوط ایمان

ایمان کی مضبوطی اور استحکام تعمیر سیرت میں ہر روز نئی آن اور نئی شان پیدا کرتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرب الہی اور اتقا لازم و لازم ہیں تو پھر یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی کہ قرب خداوندی کا پہلا ذینہ ہی استحکام ایمان ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہوگا کردار اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ ایمان کی کمزوری سیرت و کردار کو کمزور کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جب بھی مرد مومن کو کسی عمل اور جہاد کے لئے تیار ہونے کی دعوت دی "ایمان" کا ذکر ضرور کیا۔ وہ تجارت عظیم جس کو "عذاب الیم" (دردناک عذاب) سے چھٹکارے کا باعث قرار دیا گیا۔ اُس میں بھی سب سے پہلے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہی ذکر کیا گیا:

تَوَجَّهْتُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَجَاهَدْتُ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ (العنق ۱۱)

اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کے راستے میں
اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرو

عبادت سے کردار کی تعمیر

"تقویٰ" کا ترجمہ اگر عام فہم الفاظ میں کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقویٰ اسلامی کیریئر کا دوسرا نام ہے۔ یاد رہے کہ تعمیر کردار کے لیے قرآن کثرتِ عبادت کا ایک نسخہ بھی تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بے حیائی سے رکنے کے لیے یا صبر کی صفت پیدا کرنے کے لیے نماز کا پڑھنا تجویز کیا گیا۔

انسانی طبائع میں رچ بس جانے والی مذموم حرکتیں کثرتِ زہد ہی سے عاداتِ حسنہ سے بدلتی ہیں۔

پروردگار عالمین ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا إِلَهَكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝
(البقرة ۲۰)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم
سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

رمضان المبارک کے روزوں کا فلسفہ بھی یہی بیان فرمایا:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ ۝ (البقرة ۱۸۳)

اے اہل ایمان تم پر پہلے لوگوں کی طرح روزے فرض کر دیئے گئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

پیر و مرشد کا وسیلہ

ایمان کی حرارت، محبت کی گرمی اور عشق کی تپش شیخ کامل کی توجہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن حکیم بھی تعمیر سیرت، پختگی کردار، تشکیل تقویٰ اور آنکھوں سے غفلت کی پٹیاں دور کرنے کے لیے ”وسیلہ“ ضروری قرار دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيَّ
الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ نَعْتَكُمُ
الْفُتُوحَاتِ ۝ (المائدة ۳۵)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

آیت میں وسیلہ سے مراد جہاں کتاب و سنت ہے وہاں پیر و مرشد کی توجہ بھی ہے۔ شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اس سے یہی مراد لی ہے۔ (قول جمیل، مراۃ مستقیم، بحوالہ ضیاء القرآن)
ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ شیخ کامل کی توجہ کے اثرات ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آتے میسر
شہبانی سے کیسی دو قدم ہے

غور و فکر

تقویٰ اسلام کی روح ہے اور اسلام دین فطرت ہے۔ اسکی حقانیت لامحالہ ہر اُس ذہن کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جو تعصب کی پٹی اتار کر صمیم خطوط پر غور و فکر کرے۔ قرآن جو ایک الہامی کتاب ہے وہ صرف اپنے قاری کو تلاوت ہی کی دعوت نہیں دیتی بلکہ فکر اور تدبر کرنے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غور و فکر سے انسانی ضمیر زندہ ہوتا ہے اور حقائق کو تسلیم کرنا سیکھتا ہے۔ جب قلب و جگر اور دل و دماغ کسی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں تو اُس کے تقاضے پورے کرنے پھر مشکل نہیں رہتے۔

تقویٰ چونکہ اسلام کا تقاضا ہے۔ اس لئے اس کی تشکیل بھی غور و فکر کی مہربان منت ہے۔

قرآن کے دعوت فکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۰ کتاب ۱۱ انفس

۱۲ احساق

چند مثالیں

(۱) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا (ربما سرائیل)
”بلاشبہ ہم نے قرآن میں طرح طرح سے سمجھایا تاکہ نصیحت حاصل کریں“

(۲) هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَنْجَابَ وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْتَبِرُونَ ۝ (النمل: ۱۰، ۱۱)

وہ ذات جس نے تمہارے لیے آسمان سے پینے کے لیے پانی اتارا تم اس سے (اگنے والے) درختوں سے چراتے بھی ہو (وہ ذات) جو تمہارے لیے اس سے کمیتی اگاتا ہے زیتون، کجور، انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بلاشبہ اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانی ہے۔

(۳) قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ النَّحْسَ مِنَ الصُّمِّيَّتِ وَيُخْرِجُ الْوَمِيَّتَ مِنَ النُّحْيِ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأَمْرَ فَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ

أَفَلَا تَتَّقُونَ (یونس: ۳۱)

”ان سے پرچھو تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے۔ سماعت اور بصارت کی قوتوں کا مالک کون ہے۔ بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون نکالتا ہے۔ اس نظام کائنات کی تدبیر کون کر رہا ہے وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ پس کہو تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے“

(۴) سورت غاشیہ میں ایک مقام پر غرور و فخر کی دعوت اس انداز میں دی گئی:

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَ إِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ (الغاشیہ: ۱۷، ۲۰)

”کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کیونکر پیدا ہوئے اور آسمان کو کہ کیسے بلند کیا گیا۔ پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑے گئے ہیں اور زمین کو کہ کس طرح پھمائی گئی ہے“ (الغاشیہ: ۱۷، ۲۰)

علم شریعت کا ہوتا

تقویٰ کا تعلق چونکہ شریعت سے ہے اس لئے ہر متقی اور پرہیزگار شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کا مکمل علم رکھتا ہو یا اگر زیادہ نہیں تو

کم از کم جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا علم رکھنا تو از حد ضروری ہے۔
 تقویٰ کا بلند ترین مقام عرفان رب ہے جسے فقر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے
 حضرت بابو علیہ الرحمۃ اس کے بارے میں فرماتے ہیں :
 علموں بانج بچکے فقیری کا فرمے دیوانہ ہو
 خداوند کریم امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزار ہا نافرمانوں
 سے بچائے جو طریقت کو شریعت سے الگ کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے
 ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے :

غدا اگر بہ اوز سیدی تمام بولہبیت
 اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جو بھی طریقہ ہے خواہ وہ
 کتنا ہی دکش کیوں نہ ہو نفس کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ نہیں۔

خوف خدا

”تقویٰ“ پیدا کرنے کے لیے خوف خدا کا ہونا بھی اشد ضروری ہے
 لیکن خوف کو اتنا نہ بڑھایا جائے کہ امید ختم ہی ہو کر رہ جائے۔ ایک حدیث
 کے مطابق ایمان خوف اور امید کے درمیان درمیان ہے۔ حضرت عمر فاروق
 رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور قول ہے کہ :

”اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے کہ جنت میں
 صرف ایک ہی شخص داخل کیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ وہ شخص
 میں ہی ہوں لیکن اگر یہ اعلان ہو جائے کہ دوزخ میں صرف

ایک ہی آدمی داخل ہوگا تو مجھے اندیشہ ہوگا کہ وہ آدمی کہیں
 میں ہی نہ ہوں۔

خوف خدا کے لئے آخرت، موت اور قبر کا فکر ضروری ہے۔
 ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ مرغ ذبح کرتے ہوئے رو رہا تھا اور ساتھ
 ہی یہ کہہ رہا تھا کہ بے زبان اور غیر مکلف چیز مرتے ہوئے اگر اتنی
 تکلیف میں مبتلا ہے تو گناہ گار انسانوں کا کیا حال ہوگا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک روایت
 ہے کہ جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور آپ
 خوفِ الہی سے کبھی گھر سے باہر آتے اور کبھی اندر جاتے۔ جب بارش ختم
 ہو جاتی تو آپ مسرور ہو جاتے۔

فطرت انسانی میں یہ بات داخل ہے جب اُسے کسی بات کا
 خوف ہو تو عمل کی قوت اس میں تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔ البتہ خوف
 کی نوعیتیں بدلتی رہتی ہیں۔

اسلام بھی اپنے ماننے والوں کو ایک غائب ہستی کی باز پرس
 سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس خوف کا اثر یہ ہے کہ کبھی
 پولیس یا محتسب کی غیر موجودگی میں بھی انسان ایسا کام کرنے
 سے رک جاتا ہے جس سے اس کے رب کی نافرمانی ہوتی ہو اور
 خلقِ خدا کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

خوف آخرت کی ایک دلچسپ حکایت

ایک بزرگ نے ایک روتے ہوئے لڑکے سے رونے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رو رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا خوف کا سبب کیا ہے؟ تو اُس نے کہا کہ کتاب حکیم میں ارشاد رب العزت ہے :

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي ذُكِرَتْ هَآلَا النَّاسُ دَارَ الْحِجَابَةِ ۝

(البقرة ۲۴)

دُرو اُس آگ سے جس کا ایندھن (گناہ گار) لوگ اور پتھر ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ جب میری ماں آگ جلاتی ہے تو چہلے میں بڑی لکڑیوں کو آگ لگانے کے لیے نیچے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہے تاکہ آسانی سے آگ روشن ہو جائے۔ اگر خداوند کریم نے بھی جہنم میں بڑے بڑے نافرمانوں کو آگ میں ڈالا تو مجھ جیسے چھوٹے چھوٹے گناہ گاروں کو بھی نہ ڈال دیا جائے۔

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں :

”اللہ تعالیٰ کو اُن آنسوؤں سے پیار ہے جو خوفِ الہی سے جاری ہوتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ شریف باب الجہاد)

مولانا رومی کا ایک شعر ہے :

ہر کجا آب رواں غنچہ بود

ہر کجا اشک رواں رحمت شود

جہاں پانی چلتا ہے وہاں باغات ہوتے ہیں اور جہاں آنسو جاری

ہے وہاں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خوفِ الہی سے

دیا کرو اگر روزِ آئے تو رونے والی شکل ہی بنا لیا کرو۔

خوفِ خدا کے بارے میں قرآن حکیم میں رب ذوالکمال

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

اٰمَنُوْا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ

عَنِ الْمَعْرِضِ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰی۔

(النزعت ۴۰، ۴۱)

جس نے اپنے رب کے سامنے عاقری کا خوف رکھا

اور اپنے آپ کو خواہشات سے باز رکھا۔ اُس کا ٹھکانہ جنت

ہے۔

وَعَا

اسلامی اور روحانی زندگی میں طلب اور جستجو کا ایک خاص مقام

ہے۔ ہدایت اور گمراہی ہر دوسن جانب اللہ ہی ہوتے ہیں۔ مردِ مومن کو

چاہیے کہ وہ ہر وقت خدا کی چوکھٹ پر پڑا رہے۔ اُس سے سوال کرتا

رہے۔ اُسی داتا کی عطائے رنگ آلود دل پاک ہوتے ہیں۔ مخلوق کو خالق کا قرب مقصود حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ عبادت سے ”تقویٰ“ کی تشکیل ہوتی ہے اور دُعائے بائیں میں رؤف رحیم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (رواہ ابوداؤد)

دُعا ہی عبادت ہے

ایک حدیث کا مضمون یہ بھی ہے کہ

”دُعا عبادت کا مغز ہے“

آقا کے ان دو اقوال سے پتہ چلا کہ دعائیں اگر عجز و نیاز مندی شامل ہو اور دعا گو زیادہ نمود سے اجتناب کر کے رب ذوالجلال کو پکارے تو اس کی تاثیر عبادت عامہ سے زیادہ ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تشکیل تقویٰ کے لیے صدق طلب کا ہونا ضروری ہے
رشد و ہدایت کے نور کے حصول کے لئے خود بھی دعا کرنی چاہیے اور اللہ کے نیک بندوں سے بھی دعا کروانی چاہیے اس لئے کہ یہ حقیقت ہے کہ
سہنگاو دلی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی قسمت دیکھی

استقامت

استقامت سے مراد لزوم طاعت ہے بعض علماء نے کہا۔ کہ

عبد اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے سلسلے امور کا نظام درست رکھنا استقامت کہلاتا ہے۔ ایمان کے بعد استقامت کی اہمیت کا اندازہ خبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ آقا مولا نے ارشاد فرمایا:

قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ! ثَمَّ اسْتَقِرُّ

کہہ کہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر استقامت اختیار کر

صوفیاء کا مسلک ہے کہ استقامت اور استقلال کرامت سے بھی زیادہ اہم شئی ہے۔ اہل ایمان کے اسی وصف کو قرآن مجید نے ایک مقام پر یوں بیان فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَانُوْا رَبَّاهُمْ شَرًّا فَسَٰمَواْ فَ لَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاحقاف: ۱۳)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر استقامت اختیار کی اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے۔

استقامت کا آسان تر مفہوم ثابت قدمی کا ہے۔ تقویٰ کا تعلق چونکہ اجتناب معاصی اور علیت ادا کرنا ہے۔ اس لئے حصول علم کے بعد تقویٰ کے ثمرات دیکھنے کے لیے صبر اور ثبات کا ہونا اس قدر ضروری ہے۔



تقویٰ کے تقاضے

اس عنوان پر اگر سیر حاصل بحث کی جائے تو طوالت کا خطرہ ہے اس لیے کہ تقویٰ ایک ایسی جامع اصطلاح ہے جس کے تقاضوں اور مفہوم کو کما حقہ سمجھنے کے لیے پورے قرآن مجید اور احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ریکارڈ تاریخی کے سلسلے میں پیش کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کسی ایک کتاب یا نشست میں پیش کرنا ناممکن ہے تاہم چند اہمیت کے حامل عنوانات پر جن کا تعلق تقویٰ سے ہے، اجمالی بحث کی جاتی ہے

شُرک سے اجتناب

تقویٰ کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ انبیاء کا پہلا درس ہی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے۔

شرک کے بارے میں قرآنی رویتوں کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

۱. شرک ناقابل معافی جرم ہے۔ (النساء: ۴۸)
۲. شرک کرنے سے پہلے کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ (الانعام: ۸۹)
۳. شرک سے آدمی بزدل ہوتا ہے اور مشرک کا انجام جہنم ہے۔ (آل عمران: ۸۵)

۴. شرک جہالت ہے۔ (الاعراف: ۱۳۸)
۵. شرک ظلم عظیم ہے۔ (لقم: ۱۳)
۶. مشرک خواہشات نفس کے غلام ہوتے ہیں۔ (النجم: ۲۳)
۷. بدترین مخلوق مشرک ہیں۔ (البینہ: ۶)

نظام عبادات کا قیام

اصلاح عقائد کے بعد عملی زندگی کے میدان میں جس چیز کی اولین ضرورت ہے۔ وہ نظام عبادت کا قیام ہے۔ تقویٰ کے تقاضوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تخلیق انسانیت کی علت معلوم کی جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذہلیہ: ۶۳)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لیے

عبادت کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ اس میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جس کے کرنے اور باز آ جانے سے رضائے ربی کا پروانہ ملتا ہو لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلامی نظام عبادت کی بنیادیں ہیں۔ ان میں سے بھی نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ روزِ محشر اولین پرستش اسی کے بارے میں ہوگی۔

روزِ محشر کہ جان گداز بود

اولین پرستش نماز بود

عبادت کی اصل خدا کا ذکر

اللہ کا ذکر دلوں کو صاف کرتا ہے۔ بد اعمالیوں اور بد عقیدگیوں سے

نجات دلاتا ہے۔ بے حیائی اور غاشی سے منع کرتا ہے۔ انسانی کردار کو نکھارتا ہے۔ مزاج میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ سیرت میں حسن لاتا ہے۔ طبیعت کو استغنا بخشتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کثرت ذکر سے انسان قرب الہی کی منزلوں کا راہی بن جاتا ہے۔

ذکر اللہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد سینے :

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۖ (العنکبوت ۲۵)

اللہ کا ذکر بہت بڑی شے ہے

ذکر کیا ہے ؟ ہر وقت اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں لگانے رکھنا۔ تصور میں اُس حاکم مطلق کو یاد کرنا۔ احکام الہی پر کاربند رہنا۔ قرآنی تعلیمات کا پرچار کرنا یہ سبھی ذکر اللہ کی اقسام ہیں۔
حاکمیت خداوندی پر اگر مکمل یقین نہ ہو اور ہر فعل میں رضائے الہی کا جو ہر شامل نہ ہو تو مقصود عبادت اور مدعا کے زیست پورا نہیں ہوتا۔

تقویٰ اور فکرِ آخرت

ہمیشہ انجام پر نگاہ رکھنے والے لوگ ہی ہر میدان میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں انسان کا انجام فنا نہیں بلکہ فنا کے بعد ایسی بقا ہے جس میں دنیا میں کیے جانے والے ہر عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی۔
نیکہ دار فرصت کہ عالم دے است

دم پیش عالم ہر از عالمی است

آخرت کی فکر کر کے اپنے اعمال و افعال کا محاسبہ کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَلْتَنْتَظِرْ لِنَفْسِكَ
تِمَاقَدًا ۖ مِمَّا بَعْدَهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (المحشر ۱۸)

ترجمہ : اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اُس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے اللہ سے ڈرو وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس آیت کریمہ میں آخرت کی زندگی کو "کل" سے تعبیر کیا گیا ہے گویا دنیا کی پوری زندگی "آج" ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو کل کی فکر میں اپنی چند روزہ زندگی کو اعمالِ صالحہ سے مزین کر رہے ہیں۔

تقویٰ اور اصلاحِ معاشرہ

کون نہیں جانتا کہ انفرادی زندگی کے اثرات اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ تقویٰ جس کا تعلق انفرادی طور پر فرد ہی سے ہے لیکن اجتماعی اصلاح بھی اُسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جبکہ اسلاف و سوانحی سے متعلق ہر شخص متقی ہو۔

تقویٰ اگر ایک طرف انفرادی کردار کی تعمیر کرتا ہے تو دوسری طرف اجتماعی کردار کی تشکیل یعنی اصلاحِ معاشرہ کی راہیں بھی ہموار کرتا ہے۔

دنیا میں جتنی اخوت اور مروت مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے کسی اور نظام کے پیروکاروں میں نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "اصلاح بین المسلمین" (مسلمانوں کی اصلاح) کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا ہے

إِذَا مَا الْمُؤْمِنُونَ أَخَذُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخْوِيكُمْ

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (الحجرات: ۱۰)

ترجمہ: مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں میں اصلاح کرو۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تقویٰ کے اس تقاضے یعنی مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستگی کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے کہ:

"حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو مومنوں کو باہمی

رحم دلی، محبت اور ارتباط میں ایک بدن کی مثال دیکھے

گا کہ جسم کا اگر ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے

تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے؟

اس قسم کا ایک اور مضمون حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا!

مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو

چھڑتا ہے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے "تقویٰ یہی ہے" یعنی کی طرف

تین مرتبہ اشارہ فرمایا۔ مزید ارشاد فرمایا۔ انسان کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

تقویٰ اور اتحادِ ملت

کسی قوم کی سب سے بڑی خوش قسمتی اور سعادت یہ ہوتی ہے کہ اس کی صفوں میں مکمل اتفاق و اتحاد ہو۔ افتراق و انتشار سے اُسے نفرت ہو۔ یہی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس سے قومی زندگی کو بقا حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے ملی عزت اور وقار پائندہ و تابندہ رہتے ہیں بخلاف اس کے شتمت و افتراق سے حیات ملی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور قومیں بھابھی کے گروے میں گر جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ایک مقام پر جہاں تقویٰ کا ذکر کیا ساتھ ہی اتحادِ باہمی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے فوائد سے آگاہ فرمایا اور بے اتفاقی کو جہنم کا گڑھا قرار دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ

وَلَا تُمَوِّنُوا إِلَّا وَاتَّبَعُوا مَسْلُكُوتَ ۝

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

وَإِذْ كُنْتُمْ فِي اللَّهِ عِلْدًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

بِغَيْمَتِهِ إِخْوَانًا ۝ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

بِغَيْمَتِهِ إِخْوَانًا ۝ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

مِنَ النَّارِ فَأَنْتَذَرُكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۵

(القرآن سورہ ال عمران آیت ۱۰۱ تا ۱۰۳)

”اے ایمان والو! اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مومنوں کو مسلمان ہی ہو کر۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا کی اور تم اُس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے۔ تم دوزخ کے گردے کے کنارے پر کھڑے تھے پس اُس نے اس سے بچایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کے لیے اپنی آیتیں بھیجتا ہے۔“

ہر وہ قوم جو اپنے مقصد حیات سے منحرف ہو کر اصولوں کو ترک کر کے جزئیات و فروعات میں الجھنے کی کوشش کرتی ہے اُسکے ہاں بگاڑ کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے اور جب کوئی ملت تفرقہ کا شکار ہو جائے تو اس کی اصلاح و تعمیر کا ہر امکان معدوم ہو جاتا ہے۔

مسلمان کئی بار اس الہامی اصول کے نتائج و عواقب دیکھ چکے ہیں چودہ سو سال کی تاریخ میں کئی بار ایسے ہوا کہ لوگ باہمی عداوتوں کا شکار ہوئے رائے کے اختلاف سے بڑھتے بڑھتے پہلے مکتب خیال بنے پھر فرقہ بنے اور پھر اللہ کی انتقامی کاروائی کے شکار ہوئے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس

دور میں کسی کو بندہ نہیں بنایا گیا۔ آسمان سے کوئی چنگھاڑ یا چرخ نازل نہیں ہوئی، پتھروں کی بارش نہیں کی گئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ قانون فطرت بدل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی شفقت اور رحمت ہے جس کے زیر سایہ مسلمانوں پر اس قسم کا عذاب نازل نہیں ہو سکتا ورنہ کسی نہ کسی صورت میں ان کو بھی جھنجھوڑا گیا۔

غلبہ، استیلا، خلافت اور تحکیم فی الارض کی نعمتیں ان سے چھینی گئیں۔ غلامی کے عذاب میں انہیں گرفتار کیا گیا اور آج بھی کتنے ہی مسلمان عملی طور پر یا نظریاتی اور تہذیبی لحاظ سے غلامی کی سسکیاں بھر رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑا عذاب بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ دنیا میں غلامی سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت اور رسوائی ہو سکتی ہے۔

تفرقہ اور اختلاف کے جرم عظیم پر ذرا خالق کائنات کی ناراضگی کا اندازہ کیجئے :

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ آمَنَ ثُمَّ اتَّخَذَ
ذَوَّارِبَكُمْ فَإِذَا تَقَاتُوا ۝ فَتَقَطُّعُوا أَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ ذُبُرًا ۝ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ
فَرِحُونَ ۝ فَذَرُهُمْ فِي عَسَافِهِمْ
حَتَّىٰ حِينٍ ۝ (سورة المؤمنون آیت ۵۲ تا ۵۴)

”یہ تمہارا دین تو ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تو فی اختیار کیجئے وہ جنہوں نے دین میں مختلف

طریقے بنالیے ہر ایک اپنے ہی طریقے پر خوش ہے
پس (اسے نبی) چھوڑیے ان کو ایک مدت تک غفلت
ہی میں پرٹے رہیں۔

مسلمانانِ عالم کی فز و فلاح، کامیابی و کامرانی، عزت و وقار، حیاتِ دہلہ
اسی میں ہے کہ وہ ایک رہیں۔ فردعی اختلافات کو ترک کر کے ایک دوسرے
کی طرف رفاقت کا ہاتھ بڑھائیں۔

تقویٰ جو اسلامی کردار کا نام ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان
حسب و نسب کے امتیاز و مشاکر وحدت کی لڑی میں پڑنے جائیں۔
اور یاد رکھیے کہ اگر مسلمانوں نے اس عظیم جرم سے خلاص حاصل کر لی
ان کی عظمت و اقتدار کے ترانے ارض و سما پر گونجیں گے۔

شعارِ اللہ کی تعظیم

قرآن حکیم میں ارشاد رب العزت ہے :

وَمَنْ يُعْظِمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ
تَشَوُّيِ الْعُلُوبِ ۝ (سورۃ الحج آیت ۳۲)

”جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے
تقویٰ سے ہے۔“

شعار میں ہر وہ چیز شامل ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی
ذات خود مقرر کر دے یا اس کے انبیاء مقرر کریں یا اس کی نسبت اللہ

کے کسی صالح بندے سے ہو جائے۔ اس سے تبرکات بزرگانِ دین سے
محبت اور ان کے احترام کا سبق بھی ملتا ہے۔ اس لیے کہ محبت مطلق کسی
شئی سے نہیں ہوتی بلکہ اس لیے کہ اُس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ
کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔

مثلاً حجرِ اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ پتھر ہے بلکہ اس
لیے کہ اُس کا تعلق اور نسبت اللہ کے ساتھ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اُسے بوسہ دیتے رہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر وارد ہوا ہے :

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (البقرہ ۱۵۸)
صفا اور مروہ شعائرِ اللہ سے ہیں۔

ان پہاڑوں کا شعار ہونا بھی اولیاء و انبیاء سے نسبت ہی کی وجہ سے ہے۔

تقویٰ اور احترامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ایک آدمی تقویٰ کا ہر تقاضا پورا کرتا ہے لیکن احترامِ رسول کے جذبہ
سے اگر اس کا سینہ خالی ہے تو وہ عند اللہ ناجور نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کے تمام
اعمال ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ اخروی کامیابی کا اصل راز سرکارِ عالمین
صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کی اطاعت ہے۔

متقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو محبت اور احترام
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے مرشار رکھے۔ محبت محبوب کے

ہر فعل کے احیا کے لیے قربانی چاہتی ہے۔ آج کے حالات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم تحریک مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے رکن بن کر احکام الہی کے نفاذ کے لیے کوشش کریں۔ اور زندگی کے ہر میدان میں ضابطہ خداوندی سے رہنمائی حاصل کریں۔

وہ لوگ جو بظاہر کلمہ گو ہیں لیکن ان کے دل محبت رسول اور احترام نبی کے جذبات سے عاری ہیں۔ ان سے بصدا و ب واحترام گزارش ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ علی ذوق پورا کرتے کرتے ایمان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔

لَا تَقْسِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ

ترجمہ : اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور تقویٰ اختیار کرو
آگے جا کر احترام کے لئے عند الرسول اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کے متعلق فرمایا :

إِنَّ الَّذِينَ يُغْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ
رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِتَقُوْنِي ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ
وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (الحجرات آیت ۱)

ترجمہ : " بلاشبہ وہ لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات کرتے ہوئے اپنی آواز کو دھما رکھتے ہیں اصل میں وہی

لوگ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لئے ہیں
ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔"
معلوم ہے کہ تقویٰ کی جان اور پرہیزگاری کی روح محبت رسول اور
احترام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس سے ایک یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے شیخ اور
استاد کا احترام کرنا اور ان کے سامنے مودبانہ گفتگو کرنا بھی تقویٰ کا
ایک تقاضا ہے

تقویٰ اور قیام عدل

اسلام ایک عالمگیر تحریک کا نام ہے جس کا مقصد و منشور
عالم انسانیت میں نیکی کا نظام قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول
کے لیے یہ تحریک اپنے ہر رکن سے ایک مخصوص کیریئر کا تقاضا کرتی
ہے جسے تقویٰ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقویٰ جہاں انفرادی اور اجتماعی تعمیر و تہذیب کا نام ہے وہاں اس
کا ایک گہرا ربط تحریک اسلام کے منشور سے بھی ہے۔ مثلاً قرآن
نے جہاں عادات و اطوار اور رسوم و طرق کی اصلاح کو تقویٰ قرار دیا۔
اسلام کے منشور و مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد
کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔

تعمیر کی ضد تخریب ہے۔ جب تک کوئی قوم قوانین فطرت کی

پابند رہتی ہے اس کی رگوں میں تعمیری خون گردش کرتا رہتا ہے اور جوہی وہ راہ اعتدال سے ہٹتی ہے۔ اس کی صفوں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے گویا کہ بناؤ قانون عدل کی پابندی میں ہے اور بگاڑ اس صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کا نام ہے۔

مسلمان چونکہ خیر و بھلائی کا نظام دنیا میں رائج کرنا چاہتا ہے انسانیت کو بناؤ کا سبق دینا چاہتا ہے۔ تخریبی جراثیم کا خاتمہ اس کا مدعا ہے غرض کہ مسلمان کا یہی کیریئر کثیر تقویٰ اُسے قیام عدل کے لیے تیار کرتا ہے۔

وَلَا يَجْعَلْ مَنكَو شَنَاةٍ قَوْمٍ عَلَى
اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى وَاَتَقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ ۸)

”تمہیں کسی قوم کی دشمنی عدم عدل پر نہ اُکسائے۔ عدل کیجئے اور اللہ سے ڈریئے اور یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے بلاشبہ وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔“

عدل کے لیے اردو زبان میں لفظ ”انصاف“ استعمال ہوتا ہے اگرچہ معانی اور مطالب کے لحاظ سے ”انصاف“ میں وہ زور نہیں جو ”عدل“ میں ہے۔ اگر عدل کا معنی ”توازن“ کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ عالم رنگ و بو میں پروردگار کے تمام تر امور

عدالت ہی کے ساتھ قائم ہیں یعنی عدل ہی وہ قانون ہے جو قیام ہستی کے لئے ضروری ہے۔ اس مقام پر دائرہ عدل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے معاملات، مقدمات، نظام شمسی سیاروں کی حرکت موسمی تغیر و تبدل اور طبع انسانیت و تکوین اشیائے عالم تک ہر ایک ہی تعادل و توازن کی مختلف مثالیں ہیں۔

ظلم ہو یا سرکشی، اسراف ہو یا تبذیر، فساد ہو یا اعتدال نظام عدل سے ہٹی ہوئی یہی وہ صورتیں ہیں جن کے عاملین کو قرآن نے کبھی تو شیطان کا بھائی کہہ کر پکارا اور کبھی اس سے ملتی جلتی کوئی اور اصطلاح استعمال کی۔ قرآن نے حقیقت عدل کے رموز سے آگاہی کے لیے اکثر مقامات پر فرد و فکر کی دعوت بھی دی اور توازن اور تعادل کو مقصود ٹھہرایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب تم بغیر ستونوں کے اٹھائے ہوئے آسمان کو دیکھتے ہو جب تم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو کہ جوئے جو اور گندم سے گندم ہی پیدا ہوتی ہے تو پھر روزمرہ میں عدل سے انحراف کیوں؟

اِعْدِلُوْا اِنَّ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
”عدل کرو عدل ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے“

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مسائل سیاسی ہوں یا معاشی ہماری کامیابی کا راز اسلام کے نظام عدل ہی میں ہے اس لئے کہ یہ نہ تو جو اس خمسہ کی تخلیق ہے اور نہ ہی وجدان کی پیداوار بلکہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے یہی وہ ضابطہ حکمت ہے جسے اپنانے سے انسانیت عروج کے نینے

طے کرتی ہے۔

اگر آج ہماری عدالتوں میں اسلام جو دین فطرت ہے اس کا قانون عدل لاگو اور قابل عمل نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہمارے قانون دانوں کے نزدیک وہ قانون اس قابل نہیں کہ ان کے مسائل حل کر سکے اگر ایسے نہیں تو نفاذ میں اتنی تاخیر کا مطلب کیا ہے؟

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے ایک گہری سازش کی کہ مسلمانوں میں کچھ آدمی ایسے تیار کیے جنہوں نے قوم و ملت میں یہ تبلیغ شروع کر دی کہ دین صرف چند عبادات کا نام ہے حالانکہ اسلام ضابطہ مکانات ہے جو زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بقول شاعر :

خدا جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

و ناسخا ران اسلام !

اگر آپ امن و سکون چاہتے ہیں، اگر آپ کی خواہش زندگی کی راحت و آرام ہے، تو اس کا ایک ہی راستہ ہے، اسلام کے نظام عدل کی طرف پلکیں اور اس طرح تمہاری دعوت سے اہل جہاں جو جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور اپنی شیطانوں اور غفلت شعاروں سے معاشرہ کو جہنم زار بنا دیا ہے، اسلام کے انقلابی منشور سے آگاہی حاصل کریں۔

تقویٰ اور رسوم محض

کھن نہیں جانتا کہ آج ہمارے معاشرے میں محض تقلیدی بنیادوں پر بہت سی ایسی رسوم کا آغاز ہو چکا ہے جو قیام دین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ روایتی غلطیوں کی پرستش کی جاتی ہے۔ پہلے ایک عقیدہ گھڑا ہوا ہے پھر اس کی پرستش متواتر سے اس میں شان تقدیس پیدا کی جاتی ہے اور بعض ایسی رسمیں ہیں جن میں سوائے ضیاع دولت کے اور کچھ نہیں ملتا، قرآن ان سب باتوں کی تردید کرتا ہے بلکہ ان کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

عربوں کا دستور تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے اور گھروں میں آنے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھلی دیواروں سے سوراخ کر کے داخل ہوتے، چونکہ یہ رسم محض تھی اس لئے قرآن نے اسے ایک لایینی حرکت قرار دیتے ہوئے اس کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔ — ارشادِ ربّی ہے :

فَیْسَ الْبَیْتِ اَنْ تَاْتُوْا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا
وَلَکُمْ الْبَیْتُ مَقْبَلٌ اَلْقُبُورِ وَ اَتَا الْبُیُوْتَ مِنْ
اَبْشَاطِہِمَا وَ اَلْتَّوَلَّوْا لَّہٗ کَعَلَّکُمْ تَنْہٰیوْنَہٗ

(سورہ البقرہ آیت ۱۷۹)

”یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہو بلکہ

یکی تو تقویٰ اختیار کرنا ہی ہے گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا
کرد اور اللہ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ۔

ہمارے ہاں بچوں کی پیدائش پر، شادیوں کے رچانے میں اور ماتم کے
موقع پر بعض نہیں بلکہ بے شمار ایسی رسمیں منائی جاتی ہیں جن کا تعلق اصل
میں یا تو ہندوؤں سے ہے یا انگریزوں سے۔ قرآنی تعلیمات کو دیکھ کر ہمیں
عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور ان مذہب و رسوم و اطوار کو غیرت مذہبی کو کام
میں لاتے ہوئے صرف خود ہی ترک نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دوسرے حضرات
جن کی سرشت میں ایسی عادات داخل ہیں انہیں بھی مجبور کیا جائے کہ
تقلید غیر سے باز رہیں اور شیطان کو غرض نہ کریں۔

البتہ بعض دیہاتوں میں بعض لوگوں کو دینی اصولوں کا پابند دیکھ کر
نہایت حیرت محسوس ہوتی ہے اور ان کے جذبہ دین کو داد دینا پڑتی
ہے۔ فی الحقیقت اسلام ایک سادہ اور قابل عمل دین ہے۔ یہ عین
فطرت کے مطابق ہے۔ اسے کسی رسم کے پیوند کی ضرورت نہیں۔
رسوم پرست لوگ خود بھی اُن سے تنگ ہیں۔ لیکن ان کے ضمیر کی آواز
جب جذبہ نموش کی نذر ہو جاتی ہے تو وہ ہر وہ کام کرتے ہیں جو اُن کا
من اجازت دیتا ہے۔

غیر اقوام کی تقلید تقویٰ کے منافی ہے

مسلمان کسی قوم یا ملک کا نام نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی وجہ جماعت

ہے۔ جس کا منشور نیکی کو غالب کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے
اس کا اپنا ایک پروگرام ہے۔ اس کے پاس زندگی گزارنے کے
اپنے اصول ہیں۔ ہر وہ آدمی جو اس کے اصولوں کو کسی بھی میدان میں ٹھکراتا
ہے۔ تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ اس کے پروگرام سے
متفق نہیں۔ اس کو وہ اصول اچھے نہیں لگتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
پیش کئے تھے۔

تقویٰ کا تلافی یہ ہے۔ کہ ان اصولوں کو نہ اپنایا جائے جو اسلام
سے ٹھکراتے ہیں۔ ان باتوں پر کان نہ دھرتے جائیں جو غیر اقوام
نظام مصطفیٰ کو ختم کرنے کے لیے کرتی ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید کی بجائے
اپنے پاؤں میں نہ ڈالی جائیں اور غلامی کے طوقوں سے اپنی سگردوں کو
بچایا جائے۔

اگر ایک آدمی دین کو سیاسی لحاظ سے تھائیو کریسی یعنی پاپائیت کا
نام بھی دے۔ مسجد کو بھولے سے بھی نہ آئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنتوں کا مذاق بھی اڑائے اور پھر اپنے آپ کو ایک مسلمان سمجھے اور
اپنی حرکات کو قابل نجات خیال کرے تو یہ مستند ناقابل فہم ہے۔

نجات اگر ہے تو صرف اس میں کہ اتھارٹی صرف اللہ اور اس
کے رسول کی مانی جائے۔ ہمارا قرآن جب ہر اس معاملہ میں ہماری رہنمائی
کرتا ہے۔ جس میں ہماری بہتری ہے۔ تو پھر اس نظام کے مقابلہ میں
ہمارے دل فسانے کیوں تراشتے ہیں۔ ہماری جبینیں شیطانوں کے سامنے

کیوں جھکتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ خود ہی آذری کاشیہ کہیں اختیار کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بننا تو

دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

تقدیر کے تماشے کا فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ، مناجات

آج بھلائی کی بھیجک کھیلے ہم شکول لیے کافروں اور منافقوں کے

دروازوں پر پھرتے ہیں۔ آج ہماری اطاعت کا معیار لادین عناصر کی خوشامد

بن چکا ہے — ارشاد رب العزت ہے :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّبِعِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالنَّافِقِينَ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (سورہ احزاب الایہ ۱)

”اے نبی اللہ سے ڈرو اور نہ کافروں اور منافقوں کی

تعمیق اللہ علم و حکمت والا ہے۔“

اس آیت میں جاہلیت کی رسوم پر ضرب کاری لگائی گئی ہے اور منافقین

اور کفار کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔

اللہ کرے ہم انگریز کی اطاعت سے خلاصی حاصل کر لیں

ورنہ معاش ہو یا معیشت، سماج ہو یا سیاست، فوج ہو یا کوئی

اور ادارہ ہمارا ہر فعل غیر اقوام کی تقلید میں ہے۔

تقویٰ اور وعدے کی پابندی

وعدے کی نوعیت نجی ہو یا کاروباری، عہد اللہ سے کیا جائے یا مخلوق

سے بہر صورت اس کی پابندی کرنا تقویٰ کے تقاضوں میں سے ہے۔

قرآن نے ایک جگہ یہود کے بارے میں ان کی عہد شکنی کی

بدولت ہی کہا :

الَّذِينَ عَمَدُوا مِيثَاقَهُمْ مِّنْهُمُ ثَمَّةٌ يَبْغُونَ

عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَثَرَةٍ وَهُمْ لَا يُتَّقُونَ ۝

(سورہ النحل آیت ۵۶)

ترجمہ: ”وہ لوگ جن سے تو نے عہد کیا۔ ہر مرتبہ اس کو توڑتے ہیں اور

خدا اسے ڈرتے نہیں۔“

سورہ توبہ میں ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے

بھی وعدہ پورا کرنے کو کہا گیا ہے۔

ارشاد باری ہے :

فَاَتَّبِعُوا إِلَهُكُمْ عَمْدًا إِلَىٰ مَدِينِهِمْ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ اللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۴)

ترجمہ: ”ان سے وعدوں کی مدت کے مطابق پورا کرو اس لئے کہ اللہ

متقین سے محبت کرتا ہے۔“

سورہ مائدہ میں ارشاد ربّی ہے ”اے مومنو! اپنے بندے ہوئے

وعدوں کو پورا کرو۔

ایک مقام پر آتا ہے "إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا" یعنی وعدے کے بارے میں پرسش ہوگی۔

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وعدے کی پابندی کی اور ساتھ ہی اپنے پیروکاروں کو ایسے عہد کی تلقین کرتے رہے۔ آپ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ "لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ" "اس کا دین نہیں جس کا عہد نہیں"

ایک موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے ساتھ بدر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ قتلہ تعداد کی وجہ سے ایک ایک آدمی کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ دو صحابی حضرت حذیفہ اور حضرت حسیل جنہوں نے مشرکین سے عدم شرکت کا وعدہ کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری داستان سنائی تو آپ نے ان کو مدینہ بھیج دیا۔ اور فرمایا ہم وعدے کی پابندی کریں گے۔

"عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے اور

متقین کا شعار ہے۔" (ضیاء القرآن ص ۳۳)

وعدہ کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ کیا جانے والا وعدہ کہیں اسلامی شریعت کی روح کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ زبان سے ہی ایسے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں۔ جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسلام نے اس بات سے بھی منع کیا ہے۔

ایسی باتیں نہ کیا کرو جو تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کے ہاں بڑے غصے کی بات ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا

تَفْعَلُونَ ۚ (الصنف ۵)

اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تقویٰ اور اصول تعاون

اسلام کا مقصد نیکی اور بھلائی کو برائیوں پر غالب کرنا ہے۔ اس لیے یہ اپنے ہر ماننے والے کو اس بات پر اکساتا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے۔

قرآن نے اس سلسلہ میں ایک زربین اصول قائم کیا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

(سورہ المائدہ آیت ۲)

ترجمہ: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم مل کر نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی انقلابی گروہ کی کامیابی یا ناکامیابی

کا دار و مدار تعاون اور عدم تعاون پر ہی ہوتا ہے۔ اگر نیک کام میں تعاون نہ کیا جائے تو جن مقاصد کے لیے کوئی تحریک چلائی جاتی ہے اُن کا پورا ہونا کافی مدت تک ناممکن ہوتا ہے۔ مسلمان جن کی زندگی کے منشور میں ہی یہ بات شامل ہے کہ دنیا سے فاسد نظام کو ختم کیا جائے اور نظام مصطفیٰ کو رائج کر کے پستی ہوئی انسانیت کو نجات دلائی جائے اگر ان کے کچھ افراد اُن باتوں میں مدد کرنی شروع کر دیں جن سے باطل کے اصولوں کو تقویت پہنچتی ہو تو نظام حق کے لیے چلائی گئی تحریک کو نقصان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کے ہر فرد پر یہ قید لگا دی ہے کہ مدد کے ساتھ صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اُٹھنے چاہئیں اگر کوئی شخص اشرار اور عدوان کو پھیلانے کی سعی میں مصروف ہوتا ہے تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

رائے یا ووٹ ایک مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک مقدس امانت ہے۔ اس کا صحیح استعمال ”تعاون علی البر والتقویٰ“ میں شامل ہے اور اس کا غلط استعمال ”تعاون علی الاشور“ کے ضمن میں آتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے حق رائے کو کسی باطل نظام کی تائید میں استعمال کرتا ہے تو وہ ”إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ“ کے زمرے میں آتا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے مقابلہ میں ہر اختراعی نظام باطل ہے خواہ

وہ جمہوریت ہو یا سوشلزم، کمیونزم ہو یا لادینیت۔ زندگی کے کسی شعبہ میں اسلام کسی پیوند کا محتاج نہیں بلکہ اگر کوئی شخص جمہوریت یا سوشلزم کا پیوند لگاتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے باطل نظریات پر اسلام کا لیبل لگا کر مسلمانوں کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ سور کی گردن پر اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیر دی جائے تو وہ کبھی حلال نہیں ہوتا۔

غیبت سے بچنا بھی تقویٰ کا تقاضا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ اور رسول

بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا اپنے بھائی کو اس

طرح یاد کرنا جو اُسے ناگوار گذرے۔ آپ سے کہا گیا کہ اگر

وہ بات اُس میں موجود ہو تو آپ نے جواب دیا۔ اگر وہ

اُس میں موجود ہو تو تم نے غیبت کی۔ اگر نہیں تو تم نے

بہتان باندھا۔“

حدیث مذکورہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے غیبت کی تعریف یوں کی جاسکتی

ہے کہ کسی مسلمان کی غیر حاضری میں اُس کی کوئی ایسی بات کرنا جو اُسے ناگوار

گذرے وہ غیبت کہلاتی ہے۔ وہ بُرائی جو بیان کی گئی ہو برابر ہے کہ

اُس میں موجود ہو یا نہ ہو۔

قرآن نے غیبت کی مذمت کی اور اس سے بچنے کو تقویٰ کا
تفاضل قرار دیا :

وَلَا يَغْتَابَ بَعْضُكُمُ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ
أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْخَبْرُ أَخِيضًا مِمَّنْ كَرِهْتُمُوهُ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ (۱۲)
ترجمہ — تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم
میں سے کوئی ایک یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے
بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تمہیں یہ ناپسند ہے۔ اور اللہ
سے اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر بھی غیبت کی مذمت ایک
دفعہ اسی صورت میں کی۔ جب کہ معز بن مالک اسلمی کو ذلت کے جرم میں
رجم کی سزا دی گئی۔ تو دو صحابیوں نے ان پر تنقید کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے سن لیا۔ کچھ دُور راستے میں آپ کی نظر ایک گدھے کی لاش پر پڑی۔
آپ نے ان صحابیوں کو بلایا۔ اور فرمایا کہ اس کو کھانا شروع کرو۔ انہوں
نے جواب دیا۔ اسے کون کھائے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ابھی جو تم اپنے
مردہ بھائی پر حرف زنی کر رہے تھے۔ وہ اس کے کھانے سے زیادہ بُری تھی۔



حُرمتِ سود اور تقویٰ

معاشی بدعالی معاشرتی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ غربت اور
افلاس صبر اور استقامت کی دولت کے بغیر اخلاقی بیماریوں کی بنیاد
بن جاتے ہیں۔ اخلاقی اقدار کے مٹ جانے کی وجہ سے تعمیر و ترقی کے میدان
میں جمود طاری ہو جاتا ہے۔ اسلام ایک مکمل معاشی نظام کی حیثیت سے
ایسی تمام بنیادی کمزوریوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ جن سے جسدِ ملت کی
صحت بگڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

سود جس کے لیے عربی زبان میں لفظ ”ربا“ استعمال ہوتا ہے۔
اسلام کی نظر میں ایسی مذموم حرکت اور تبیخ بیماری ہے۔ جس کا
ارتکاب کرنے والوں کے حق میں قرآن حکیم کی یہ وعید ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَسَّوْا أَعْدَتُمْ لَكُمْ عَذَابًا (۱۳)
اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

امام ابو حنیفہ اس آیت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید
کی سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں
آگ کی وعید ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو کافر تو نہیں لیکن اللہ کی حرام ٹھہرائی
ہوئی چیزیں حلال جانتے ہیں۔

احکام الہی سے بے رغبتی اور بے اعتنائی برتنا چونکہ ”تقویٰ“ کے

مٹائی ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ شہیدانِ اسلام کے لیے یہ ضروری قرار دیتا ہے۔ کہ وہ سود عیسیٰ قبیح حرکت سے بچیں۔

فرمانِ حسد اور ہندی ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا الْبَوَّاسِ الْمُغْنَى
مُضَعَّفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
(ال عمران ۱۳۰)

”اے ایمان والو! سود بڑھا کر نہ کھاؤ۔ اللہ سے ڈرو تاکہ تمہاری فلاح ہو“

نوٹ : علمائے کرام نے آیت کا ترجمہ مختلف طریقوں سے کیا ہے ترجمہ دو گنا سے کیا جائے یا ”خوب بڑھانے“ سے کیا جائے بہر صورت ہر قسم کے سود کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

سود کی تعریف

مفردات میں ہے کہ ربا کا معنی زیادتی یا بڑھوتری کے ہوتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ مخصوص زیادتی ہے۔ جو کسی رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں دیر ہو جانے پر مقرض قرض خواہ کو ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اجناس میں تفاضل بھی ”ربا“ ہی کے مفہوم میں آتا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے :

الذہب بالذہب والفضة بالفضة والبر بالبر

والشعير بالشعير والتمر بالتمر
والبلح بالبلح مثلاً بمثل بيد بيد فمن
زاد واستزاد فقد اربى الاخذ والمعطى فيه
سواء (رواہ البخاری)

سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک بغیر کمی بیشی کے اگر ہاتھوں یا تھیلوں پر نقد ہوں تو جائز ورنہ سود ہوگا اور اس کا لینے دینے والا برابر ہیں۔

صورت مذکور میں بڑھوتری ”ربا“ اسی لیے بنتی ہے کہ یہاں جنس اور قدر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور اگر جنس اور قدر میں یکسانیت نہ ہو تو پھر زیادہ لینا یا دینا سود نہیں۔ اگر کوئی آدمی لیتے وقت گندم لیتا ہے اور دیتے وقت جو دینا چاہتا ہے۔ تو اس صورت میں زیادہ دینا یا لینا جائز ہوگا۔ اس لیے جنسوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ دریں صورت ادھار بھی جائز ہوگا۔ قدر میں عدم یکسانیت سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایک چیز اگر وزن کر کے لی اور دی جاتی ہے تو دوسری چیز ماپ کر لی اور دی جاتی ہے۔

سود کے مفہوم کو ”احکام القرآن“ کی یہ عبارت بڑی خوبصورتی سے ادا کرتی ہے :

الربا في اللغة الزيادة والمراد في الدينه

ہونے والی بیماریوں کی جڑ ہے۔ اس لیے کہ سود لینے والا امیر سے امیر تر بننے کے لیے مقروض کو سود در سود کے ایسے جال میں پھنساتا ہے کہ وہ غربت اور افلاس کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتا ہے۔ تفکر اور تدبیر جن کا حصول سکون اور چین کے بغیر ممکن ہی نہیں اور تعمیر و تہذیب اور علم و اصلاح کا پہلا زینہ بھی یہی ہیں مفلسی اور غربت کی نذر ہو جاتے ہیں۔

۲۔ بخل جیسی مذموم عادت سود کا دوسرا نتیجہ ہے۔ قرض دینے والا آدمی جو سود کا مطالبہ کرتا ہے ہمدردی اور قربانی کے جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر معاشرہ اور اس کے افراد کا سکون پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔

۳۔ طبع جو سود کی درحقیقت علت ہے۔ اسی کی وجہ سے سودی کاروبار چلتے ہیں۔ اگر طبع کا مادہ انسان میں نہ رہے تو قناعت پیدا ہوگی۔ جب قناعت ہوگی تو دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں گے اور ہمدردی کے جذبات اگر کسی سینے میں ہوں تو بلا حمت ایسا معاوضہ لینے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوگا۔

۴۔ قرآن کا یہ فیصلہ کہ بے شک بظاہر تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ سود خوری سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں سود سے مال میں بکرت ختم ہو جاتی ہے۔ ہر وہ کاروبار جو سود پر چلتا ہو وہ انسانیت کے

کل زیادة لا یقابہا
ہر وہ بڑھوتری سود ہے جس کے مقابلے میں عوض نہ ہو۔

عرب میں سود کی مروجہ شکلیں

عرب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سود کی مروجہ شکلوں پر صاحب ضیاء القرآن نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”کسی نے کوئی چیز خریدی قیمت اگر وہ نقد ادا نہ کر سکتا تو ایک میعاد مقرر کی جاتی اور اگر وہ اس میعاد میں بھی قیمت ادا نہ کر سکتا۔ تو میعاد بھی لمبی کر دی جاتی اور قیمت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ کی کوئی چیز لی اور ایک ماہ کے بعد قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مہینہ گزرنے کے بعد اگر پیسے میسر نہ آئے تو وہ ایک ماہ کی مزید مہلت طلب کرتا تو دس کی بجائے بارہ روپے ادا کرنے کا وعدہ کرتا۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ کسی سے سو روپیہ مثلاً قرض لیا اور طے یہ پایا کہ مقروض ہر سال گزرنے کے بعد دس روپیہ زائد ادا کرے گا۔ ان دونوں شکلوں کو ”ربا“ کہا جاتا۔“ (ضیاء القرآن جلد اول)

سود کی مضر تین

۱۔ ظلم جو دنیا کے ہر قانون میں ناقابل معافی جرم ہے۔ سود سے پیدا

لئے مفید نہیں ہوتا۔

- ۵۔ سودی کاروبار کے معاشی نقصان کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں جبکہ اس مہلک مرض نے پوری دنیا کو اپنی پسیٹ میں لے لیا ہے اتنا مفید ثابت نہیں ہوا جتنا کہ بعض ریاستوں میں تاریخی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بغیر سود کے کاروبار کامیاب رہا ہو۔
- ۶۔ خود غرضی بھی سود خوری کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے اور کون نہیں جانتا کہ خود غرض انسان معاشرہ کی پیشانی پر ایک ناسور ہوتا ہے۔

تقویٰ کا تقاضا۔ بدکاری سے اجتناب

بیماریوں کے جراثیم کو مارنا عین مصلحت ہوتا ہے۔ قوم لوط کی اخلاقی پستی جب حد کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو صغیر ہستی سے مشا دینا ہی مناسب سمجھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی صورت میں بھیجا گیا۔ قوم لوط خوشیاں مناتی ہوئی آئی۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کو گھیر لیا۔ وہ کیا جانتے تھے کہ خوبصورتی کے روپ میں ان کی تباہی کا سہارا مان مہیا کیا گیا ہے۔ کتنی ہی بد نصیب قوم تھی۔ کہ اپنی بربادی پر تہمتے لگا کر وقت کے نبی سے سوال و جواب کر رہی تھی۔ خدا کی کارسازیاں بھی عجیب ہیں۔ چاہے تو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر۔ گھر سے بے گھر کر کے۔ بازار مصر میں بیچ کر زنداں کی سختیاں دے کر اُس کے عروج کے زینے طے کروائے۔ اور چاہے تو قوم لوط کے سامنے حسن رچا کر ان سے تہمتے لگا کر واصل جہنم کر دے۔

جب لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ تو لوط علیہ السلام نے بڑے مؤثر انداز میں قوم کو تقویٰ کی تلقین کی۔ فرمایا :

قَالَ اِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُوْا ۝

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تَخْزَوْا ۝ (الحجر ۶۸، ۶۹)

ترجمہ: لوط علیہ السلام نے فرمایا: بے شک یہ میرے مہمان ہیں۔ پس تم میری فیضیت نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اور مجھے رسوا نہ کرو۔“

جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی کی دعوت کو نہ سنا۔ تو وہی لشکر کے عذاب کا باعث بنے۔ اور قوم لوط کو ایک چنگھاڑنے لے لیا۔ اس طرح عذاب الہی کا وعدہ پورا ہوا۔ قوم لوط کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ بدکاری اور بد فعلی کے اڈے جہاں فحاشی، عریانیت، زنا کاری اور دلاطت کا درس دیتے تھے۔ ان کے اس قومی نوعیت کے جرم پر رب ذوالجلال نے انہیں زمین میں دھنسا دیا۔

ہلاکت قوم لوط سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اور بدکاری اور اس کے مقدمات سے مکمل اجتناب برتنا چاہیے۔



تقویٰ اور اس اس عمل

اعمال اور مختلف افعال کا حسن انسان کے باطنی ارادے اور حسن نیت کا مرہون منت ہوتا ہے۔ بنیاد پر کوئی کام کتنا ہی حین اور دلکش کیوں نہ ہو جب تک ارادہ اور نیت صحیح اور درست نہ ہو وہ کام نامقبول ہوگا۔ اس اعتبار سے تمام نیکیوں اور سارے امور کی بنیاد چونکہ حسن نیت اور خلوص پر ہے۔ اس لئے قرآن حکیم اسے "تقویٰ" قرار دے کر سارے اعمال کی اساس قرار دیتا ہے اور ہر وہ کام جس کی بنیاد "تقویٰ" پر نہ ہو اسے قابل مذمت سمجھا ہے۔ ان امور کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حکم صادر فرماتا ہے "جس کی بنیاد تقویٰ نہ ہو۔"

ہمارے اس موقف کو مسجد طراز کا واقعہ قوت دیتا ہے: ارشاد ذوالجلال ہے: اَفَمَنْ اَسَسَ بِنِیَانِهِ عَلٰی تَقْوٰی مِّنْ اِلٰہٍ وَرِضْوَانِ حَیْثُ

اَفَوْفٰی اَنْتُمْ بِنِیَانِهِ عَلٰی شَفَاجِرٍ فَہٰر (توبہ: ۱۰۹)

کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور اللہ کی رضا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرجانے والی کھائی کے کنارے رکھی۔

اور اس مسجد کو عبادت کے لئے حق دار قرار دیا جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو۔ مَسْجِدٌ اَسَّسَ عَلٰی التَّقْوٰی مِّنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اِخْتِ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی وہی مستحق ہے کہ آپ اس میں جائیں اسی طرح سارے امور کی جان اللہ تعالیٰ نے تقویٰ قرار دیا سفر زاد راہ کا مسند ہو تو ارشاد باری ہے :

وَنَزَّادُوا قَاتَ حَيْكِرِ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ط

(سفر میں) زاد راہ کو اور سب سے اچھا تو شدہ "تقویٰ" ہے۔

جسم کی زیب و زینت کی بات ہو تو پھر "تقویٰ" ہی مومن کو نظر و عمل دیکھنے کی "تلقین فرمائی"۔

وَلْيَأْسِ الْتَقْوَىٰ ذَالِكَ خَيْرٌ (اعوان)

اور تقویٰ ہی کا لباس سب سے بہتر ہے۔

تقویٰ اور عفو و درگزر ء

خداوند کریم نے عفو و درگزر کو "تقویٰ" کے نہایت ہی قریب قرار دیا۔

وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

(بقرہ : ۲۲۷)

اگر تم معاف کر دو تو یہ "تقویٰ" سے قریب تر ہے۔

ایک اور آیت میں قصور کرنے والوں کو معاف کر دینے کا اشارہ اس طرح

فَرَمَا : وَيَعْفُوا أَوْ يَصْفَحُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَغْفِرُ اللَّهُ

لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (نور : ۳۰)

چاہے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے

کہ خدا تم کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

غصہ اور غضب کے وقت ضبط و سکون کے حاملین اور معاف کر دینے والوں کے

بابے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (شوری : ۳۷)

اور جس وقت غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں

وہ لوگ جو عفو و درگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران

میں ان کی مغفرت اور ان کے لئے وسیع جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (۱)

سورہ شوریٰ میں صبر اور معاف کر دینے کی صفت کو بڑی اہمیت کی بات

قرار دیا گیا۔

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

(شوری : ۴۱)

جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ بڑی جہت کی بات ہے۔

عفو و درگزر کی تفصیل میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا : وَمَا نَدَانَا اللَّهُ رَجُلًا يَعْفُوًا إِلَّا عَزًّا : درگزر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ

عزت بڑھا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں معینین کی جن صفات کے ساتھ تعریف کی ان میں معات اور درگزر کرنے کی صفت کو بھی گنا۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝
غصے کو پیٹنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ کی پسند کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکر کہا یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کتنا معاف کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر بار۔

حضرت ابوسعود صہابیؓ کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے غلام کو سیٹ رہا تھا، پیچھے سے آواز آئی، جان لو، جان لو، دیکھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے، ابوسعود! جتنا تم خادم پر کہ قابو رکھتے ہو اس سے زیادہ خدا تم پر قابو رکھتا ہے۔ ابوسعود فرماتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ پھر میں نے کسی غلام کو نہ مارا۔

(سیرت النبیؐ، سلیمان ندوی)

تقویٰ اور سچائی

قرآن حکیم نے صدق اور سچائی کو بھی متقی کی صفات میں گنا۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَقَ بِهِ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

جو سچ لے کر آیا اور اس کو سچا بھی جانا سودی پر مہیز گار ہے۔

صدق اور سچائی کو جہاں خدائی صفت ہونے کا شرف حاصل ہے وہاں انسانی اخلاق کے میدان میں بھی اسے سب سے اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے۔ صدق جو کہ دل اور زبان کی ہم آہنگی کا نام ہے اس لئے اگر سچائی اور صداقت حاصل ہو جائے تو نیکیوں کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

اعمال اور اخلاق کی بنیاد سچائی ہے اسی لئے اسلام نے صرف صدق کے اختیار کرنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو پابند بناتے ہوئے اس کو تقویٰ کا ایک تعاضل قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَكُونُوا مَعَ الْغَافِقِينَ

(توبہ: ۱۱۹)

اے اہل ایمان! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔
قیامت کے دن بھی صدق ہی کام آئے گا۔

هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صَدَقْتُمْ (مائدہ: ۱۶)

یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ ہی کام دے گا۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں صدق کی چھ اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ زبان کی سچائی

۲۔ نیت کی سچائی

۳۔ عزم کی سچائی

۴۔ عزم کو سمجھیں ہمک پہنچانے کی سچائی۔

۵۔ عمل میں سچائی

۶۔ اور دینیہ میں سچائی

صدق کی برکت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ روایت جگہ جگہ ہو جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں، یا رسول اللہ! ایک کو چھوڑ دینے کی تلقین فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا تھا "جھوٹ بولنا چھوڑ دو" تو اللہ تعالیٰ نے ترک جھوٹ اور سچائی اختیار کرنے کی وجہ سے اسے ساری بری خصلتوں سے محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سچ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تقویٰ اور احسان

تقویٰ کا تعلق چونکہ شخصی اور اجتماعی حق اور جہال کے ساتھ ہے، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیاں تقویٰ میں داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ان تمام اوصاف شخصی و اجتماعی اور انحال خیر کے لئے ایک جامع اصطلاح "احسان" کا استعمال کر کے اسے تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

وَإِنْ تَحْسَبُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ سِرَّكُمْ فَلَا تَعْلَمُونَ خَيْرًا

(نساء - ۱۲۸)

اگر تم نہی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے ہر قسم کی نیکی خواہ وہ بصورت فعل و عمل ہو یا تصور و عقیدہ احسان کے مفہوم میں داخل ہے لیکن قرآن حکیم میں شکر، مصیبت سے نجات دلانا، حقوق کی ادائیگی صدقات اور قرض حسنہ وغیرہ کو احسان قرار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم و کرم، مہمان نوازی، تنگ دست کو مہلت، گردنوں کے چھڑانے، مددگاری اچھی گفتگو، ضعیف کی مدد، بھوکے کو کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا، اور ایذا رسانی سے اجتناب کرنے کو "احسان" قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے صحن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاللَّهُ يَحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا :
 اَخْبِرْنِي عَنْ الْاِحْسَانِ
 "یا رسول اللہ! احسان کے بارے میں میں خبردار کیجئے"
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرَاهُ فَاَنْتَ بِيَوْمِكَ

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

تو اللہ کی عبادت ایسے کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، یا اگر تو اسے نہیں بھی دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہاں پر محدثین نے احسان سے مراد "اخلاص" لیا، چونکہ تصوف کی حقیقت بھی یہی "اخلاص" ہے جو بدرجہ اتم سالک کو حاصل ہو جاتی ہے اس اعتبار سے بعض متصوفین نے تصوف کا ماخذ احسان قرار دیا۔ حدیث شریف میں احسان کے مفہوم کو اسلام اور ایمان سے الگ قرار دیا گیا۔ جس کو اگر اسلام سے علیحدہ قرار نہ بھی دیا جاسکتا ہو، تاہم پھر بھی کم از کم مسلمان کی عرفانی زندگی پر ضرور دلالت ہے۔

تقویٰ اور صبر

سفینۂ حیات کو موت کے ساحل تک پہنچنے کے لئے متعدد آب و آوازوں سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی تو حین تنائیں اور فرحت بخش امیدیں اس کا استقبال کرتی ہیں اور کبھی عسّم و آلام اور کرب و مصائب کے وجود پاش تھپیڑ سے اس کو اپنے زرخیز میں لے لیتے ہیں۔ حالات کے بیکار سمندر میں کبھی تو طرب و نشاط کی موجیں اُسے ہنسریوں پر اٹھاتی ہیں اور کبھی پریشانی اور اضطراب کے وحشت ناک بھنور میں جا پھینکتی ہیں۔

حالات کی زعمانی اور بھجان انجیز انقلابات کے تنوع و اختلاف پر کیا کسی شخص کو دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہیے۔ کیا مصائب پر آہ و نغال اور ماتم و نوحہ کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے۔

ہاں وہ لوگ جنہیں قرطاس حیات پر واضح نقوش ثبت کرنے ہوں۔ ان کے لئے یہ مزدوری ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت مقاصد زندگی کی تکمیل کی خاطر جان کا دی، دیدہ ریزی اور محنت و مشقت کے ساتھ ساتھ نتائج کے انتظار میں صبر و ثبات اور استقامت و استعلا کا دامن تھامے رکھیں۔

تقویٰ جو مسلمان کے اس کردار کا نام ہے جس سے اس کی شخصیت میں حسن، توازن، سنجیدگی، متانت اور وقار

پیدا ہوتا ہے۔ مصائب و آلام کے وقت صبر اور مصابرہ
بھی آس کا ایک تقاضا ہے۔

ارشاد باری ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا
وَاصْبِرُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۲۰۱﴾ (آل عمران: ۲۰۱)

اے ایمان والو صبر کرو اور ثابت قدم رہو، خدمتِ حق کے لئے آمادہ ہو
اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

صبر کا معنی کیا ہے ؟ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

”تنگی اور شدت کے وقت روکنے کو صبر کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں

”صبرت الذاید“ میں نے بغیر چارہ کے جانور کو روک لیا۔ جانشین بنا لینے
کے معنوں میں بھی یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے، اعلیٰ درجہ کے اعمال کرنے اور
برے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا صبر کہلاتا ہے۔

مصابرہ کا مفہوم صبر سے تصورِ مختلف واقع ہوا ہے۔ عام طور پر اس
کا مطلب دشمن کے مقابلہ میں پامردی دکھانا یا جاتا ہے۔ باطل کے خلاف
ایک دوسرے سے بڑھ کر کوشش کا مظاہرہ کرنا بھی مصابرہ کے مفہوم میں
داخل ہو سکتا ہے۔

تقویٰ اور تیاری جہاد

مسلمان خالقِ کائنات کی طرف سے وہ انقلابی جماعت ہے جو ہر دم
خدمتِ انسانیت کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔ جہاں بھی اور جس وقت بھی
کوئی ایسی اور سرکش قوت ”فساد“ کے لئے اپنا دامِ ہمرنگ زمین بھپاتی ہے
انہی خدائی صفوں میں حرکت آجاتی ہے۔ ایک ایک مسلمان لذتِ حیات
سے بے کشا ہو کر موت سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔

ظاہر ہے باطل اور طاغوت کو درسِ عبرت دینے کے لئے طاقت اور
قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں مسلمانوں کو فلاح
انسانیت کے لیے دیگر صلاحیتیں بروئے کار لانے کا پابند کرتا ہے، وہاں
”اعدو لہم“ استغفرہ کے تحت دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی مادی
تیاری کا بھی حکم دیتا ہے۔

”تقویٰ“ جو کردارِ مومن کا دوسرا نام ہے، اپنے حامل میں یہ نکتہ
اور سوچ بھی آجا کر کرتا ہے کہ غلبہٴ اسلام کے لئے مسلمان کو
ہر دم دشمن کے مقابلہ میں تیار اور کمر بستہ رہنا چاہیے۔

ارشادِ ربِّ ذوالجلال ہے

وَرَاقِبُوا أَنْتُمْ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۲۰۲﴾ (آل عمران: ۲۰۲)

خدمتِ حق کے لئے آمادہ اور تیار رہو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تمہاری فلاح ہو۔

رابطہ اور رابطہ کا لغوی معنی تو گھوڑے کو حفاظت کے لئے کسی جگہ مضبوطی سے بانٹ دینا ہوتا ہے اور اس سے "رابطہ الجیش" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اصلاحی طور پر اپنے آپ کو غلبہ دین کے لئے آمادہ، عبادت کا پابند اور دشمن کے مقابلے میں کمر بستہ رہنے کو رابطہ کہتے ہیں۔

صاحب مفردات نے رابطہ کے مفہوم کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے تیار رہنا بھی رابطہ ہے۔
"رابطہ کا اعلیٰ مقام اور مرتبہ یہی ہے کہ انسان "جہاد فی سبیل اللہ" کے لئے ہر وقت تیار رہے۔"

اے پروردگار عالم! میں دل کی گہرائیوں میں شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے توفیق بخشی کہ "تقویٰ" کے موضوع پر کچھ لکھنے کے قابل ہوا۔ میں اس امتیاد کے ساتھ توفیق حاصل کو سمیٹتا ہوں کہ تو پھر بھی اسے چمنستان دین سے گل چینی کی توفیق عطا فرماتا رہے گا۔

اللاہم! تو چاہے تو دین سے ستون کا کام لے لے اور چاہے تو جہاں کو فیض علم کا سرچشمہ بنا دے، دنیا کا نظام تیری نگاہ عنایت ہی سے چل رہا ہے۔

اے میرے اللہ! زمین پر رہنے والی انسانیت تیرے مقصودی نظام سے دور ہو رہی ہے۔ اسے قرآن کے قریب کر دے۔



تقریظ

پیر طریقت مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب ہاشمی
پرنسپل جامعہ فریدیہ و ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پنجاب ساہیوال

جماعت اہلسنت کی تنظیم نو کے سلسلہ میں جامعہ فریدیہ ساہیوال میں تھوڑے سے وقت میں مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تھی۔ گو میرا ان سے پہلے تعارف نہیں تھا تاہم آج ان کی علمی و تحقیقی تصنیف "حقیقت تقویٰ"، عزیزی سائیں نذیر حسین فریدی نے لا کر دی۔ پڑھنے کے بعد مصنف کی علمی قابلیت، دین سے گہری وابستگی اور مسلک حقہ کی خدمت کے مقدس جذبے کا پتہ چلتا ہے اللہ کریم جل مجدہ، مولانا کو دین و مسلک کی بیش از بیش خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ع۔
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

دعائے

ابوالنصر منظور احمد

یکم ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مطابق ۸ جنوری ۱۹۸۱ء

۸۰
 بزم طالبانِ رضاؑ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)
 (رجسٹرڈ) کے

اغراض و مقاصد

بزم طالبانِ رضاؑ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) راوی ہندی، خالص دینی، مذہبی اور
 رفائی تنظیم ہے۔ جو مسلکِ اہلسنت کا تحفظ، بقا اور فروغ و اشاعت کے لئے گزشتہ
 سال قائم ہوئی۔ مختصر سے عرصہ میں اس نے اپنے مقاصد کی تیس کیلئے خاطر خواہ کام
 کیا ہے۔

اغراض و مقاصد

- * اسلام کے ذریعے اور آفاقہ پیغام کو تبلیغ اور امت مسلمہ میں
 اتحاد پیدا کرنا۔
- * غیر اسلامی نظریات کے خلاف جہد مسلسل کرنا۔
- * دینی کتبے اور رسائل کو شائع کرنا۔
- * غیر اسلامی رسوم کے خاتمے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرنا۔
- * دینی مبینے کے مطالعہ کے لئے لائبریریوں کا انتظام کرنا۔
- * اہلسنت کے مدارس، کتبے اور رسائل سے عوام الناس کو
 متعارف کرنا۔
- * خدمتِ دین اور عقائدِ اہلسنت کے تشہیر کیلئے ہر مفید اقدام کرنا۔
- * اہلبیت، صحابہ کرام اور اولیاءِ عظام کے مشن سے عوام الناس کو
 روشناس کرنا۔

جناب محمد شریف سیالوی ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایل ایل ایم
کے فکری و علمی مضامین کا مجموعہ :

مروج فکر

اہل علم،
تفانون دان افراد
طلباء اور عوام
کیلئے
بیکساں مفید

چند اہم عنوانات :-
قرآن اور تصورِ عدل و تصورِ حکمت و اسلام کا مشی نظام
اسلامی نظامِ تعلیم و شخصی ملکیت اور حق ریاست و بندہ مزبور
وہمہ اور اس کی شرعی حیثیت و پردہ اخلاقی و نفسیاتی ضرورت

"CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS"

شیخ التبلیغ شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ کی جاپان میں کی گئی اہم تقریر کا اردو ترجمہ

ترجمہ: رضا فاروقی

سائنس کے فروغ میں مسلمانوں کا حصہ

حضرت شیخ
التبلیغ کے حالات
زندگی اور
ڈاکٹر سید مظلوم حسین
(پی ایچ ڈی)
کے
تقریرات کے ساتھ

ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی (رجسٹرڈ)